85

رمضان کے روزے

(فرمودہ ۱۱ر جون ۱۹۲۰ء مطابق ۲۳ر رمضان ۱۳۳۸ھ)

حضورِ انور نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد آیت شریفہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ ۱۸۴) تلاوت کر کے فرمایا:۔

روزوں کی فلاسفی اور ان کی غرض اور ان کے فرض کئے جانے کے اسباب و فوائد کے متعلق بہت دفعہ ہماری جماعت کو بتایا جاتا رہا ہے۔ اور یہ ایسا مسئلہ ہے کہ علمی طور پر اس مسئلہ کے متعلق بھی کچھ اور زیادہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ علمی طور پر روزے کی اہمیت اور اس کی فلاسفی اور اس کے فوائد پر جماعت میں ہمیشہ سے روشنی ڈالی جاتی رہی ہے۔ مگر کسی مسئلہ کا علمی طور پر کامل ہونا کسی جماعت کے لیے کافی نہیں ہوتا جب تک عملی طور پر بھی اس میں کمال حاصل نہ کرے۔ کیونکہ اگر علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو علم فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔

بلکہ بسا اوقات ایسا علم حسرت و اندوہ کا موجب ہوتا ہے۔ ایسا آدمی جس کو کوئی بیماری لاحق ہو جائے اور اس کے متعلق عام یہ خیال ہو کہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ مثلاً کوڑھ کا مرض ہے۔ اب تک اس بیماری کا یقینی علاج دریافت نہیں ہوا۔ اور جس شخص کو حقیقی طور پر یہ مرض ہو جائے وہ اچھا نہیں ہوا۔ اس شخص کو صدمہ ہوتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ صبر کرتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے۔ کہ وہ جس مرض میں مبتلا ہے وہ لاعلاج ہے۔ لیکن برخلاف ازیں ایک دوسرا شخص جو ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کا علاج ہے مگر کسی نہ کسی وجہ سے وہ اس علاج سے محروم رہتا ہے۔ اس کو اس محرومی کا جو صدمہ اور اندوہ ہوگا وہ پہلے شخص سے کہیں زیادہ ہوگا۔ مثلاً کسی ماں باپ کا کوئی بچہ مر جائے ان کو صدمہ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ اب ہمیں نہیں ملے گا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس کو اپنے سے جُدا سمجھتے ہیں۔ سوائے مومنین کے جو آئندہ ملنے کی توقع رکھتے ہیں، لیکن عام طور پر لوگوں کی فطرت یہی ہوتی ہے کہ وہ بچے کے متعلق یہی سمجھتے ہیں۔ کہ یہ اب ہمیں

نہیں ملے گا۔ یہ ایک سخت صدمہ ہے۔ مگر اس کا اثر چند روز میں کم ہو جائے گا۔ مگر ایک دوسرے ماں باپ ہیں کہ ان کا بچہ مرا نہیں، بلکہ کھویا گیا ہے۔ تو ان کا صدمہ پہلوں سے زیادہ ہوگا۔ کیونکہ ان کا بچہ مرا نہیں اس کا ان کو علم ہے۔ اس لیے وہ اس کے ملنے کے بھی آرزومند ہیں، مگر یہ علم ان کے لیے دُکھ اور صدمہ کا موجب ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جن کی اولاد گم ہو جاتی ہے۔ اور ان کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ مر گیا ہے۔ وہ آرزو کیا کرتے ہیں۔ کہ کاش اس سے تو وہ مر جاتا تا اتنا دُکھ نہ ہوتا۔ پس ایک چیز کا علم کبھی دُکھ کا بھی موجب ہوتا ہے۔

اس کا ایک اور پہلو بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر ایک شخص کو کسی کام کے متعلق علم نہ ہو۔ اور وہ اس میں غلطی کرے۔ تو وہ اس قدر قابل ملامت نہیں ہوتا۔ جس قدر وہ شخص قابل ملامت ہے۔ جس کو اس کے متعلق علم ہو۔ مگر باوجود علم کے وہ اسی غلطی کا مرتکب ہو۔

پس روزوں کے متعلق ہماری جماعت کو بہت حد تک بتا دیا گیا ہے۔ گویا اس مسئلہ میں علمی پہلو مکمل ہے، لیکن جب علم کے ساتھ عملی پہلو بھی مل جاتے تو بہت مکمل ہو جاتے گا۔ اگر لوگوں کو روزے کی خوبی معلوم نہ ہو اور وہ نہ رکھیں تو ان کے لیے اتنا صدمہ نہیں ہو سکتا، مگر جن کو معلوم ہو اور وہ باوجود علم کے نہ رکھیں ان کے لیے بہت بڑا صدمہ ہے اور وہ دوسروں کے نزدیک بھی زیادہ قابل ملامت ہیں۔

روزوں کا حکم بھوکا رکھنے کے لیے نہیں۔ روزے میں جس قدر خوبیاں ہیں۔ ان کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ مگر مختصراً جو قرآن نے دو لفظوں میں بتایا ہے یہ ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ روزوں کا حکم دینے سے خدا کی یہ غرض نہیں کہ تم بھوکے مرو۔ اور خدا تمہاری بھوک کی حالت کا تماشہ دیکھے۔ اگر یہ غرض ہوتی تو وہ تمہارے لیے کھانے پینے کے اس قدر افراط کے ساتھ سامان کیوں پیدا کرتا۔ اس نے تمہارے کھانے اور پینے کی ہزارہا چیزیں پیدا کی ہیں۔ پھر روزہ کا حکم دینے سے کیا مدنظر ہے۔ فرمایا کہ روزے کا حکم اس لیے ہے تا تم ہلاکت سے بچ جاؤ۔ پس خدا تعالیٰ نے روزے اس لیے مقرر فرماتے ہیں تا کہ تم محفوظ ہو جاؤ۔ لیکن باوجود اس کے لوگ سُستی کرتے ہیں۔

بعض لوگ تو روزوں کے معاملہ میں افراط کی طرف گئے ہیں۔ اور بعض تفریط کی طرف۔ جو لوگ افراط کی طرف گئے ہیں۔ انہوں نے تو یہاں تک ترقی کی ہے کہ دودھ پیتے بچوں کو بھی روزے رکھوا دیئے اور ان کو دودھ نہیں پینے دیا۔ حتیٰ کہ وہ اسی حالت میں مر گئے۔ ایک دفعہ اخبار میں پڑھا تھا کہ گرمی کے دنوں میں ایک لڑکی کو اس کے والدین نے روزہ رکھوا دیا۔ جب گرمی کی شدت ہوئی تو وہ لڑکی تڑپنے لگی۔ ماں باپ نے اس کے ہاتھ پاؤں پکڑ لیے کہ کہیں جا کر پانی نہ پی لے۔ اور وہ ساتھ ساتھ رونے بھی جاتے۔

آخر لڑکی زور کر کے گھڑوں کی طرف گئی اور ان پر گر کر مر گئی۔

تو جنہوں نے افراط کی انہوں نے تو یہاں تک کی اور جو تفریط کی طرف گئے ہیں وہ اچھے خاصے موٹے ہٹے کٹے ہوتے ہیں۔ مگر روزہ نہیں رکھتے۔ جب پوچھا جائے تو کہتے ہیں کہ تکلیف ہوتی ہے ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم کب کہتے ہیں روزے اس لیے آتے ہیں کہ لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ روزے تو آتے ہی اس لیے ہیں کہ تکلیف دی جائے اور وہ تکلیف بھی جو دی جاتی ہے۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے دیکھو ایک شخص کو بخار ہو۔ اس کو کونین دی جاتی ہے اور جب کونین کھائی جائیگی تو منہ ضرور کڑوا ہوگا لیکن کونین اس لیے نہیں کھائی جاتی کہ کھانے والے کا منہ کڑوا ہو، ہاں مُنہ ضرور کڑوا ہوگا، مگر بخار بھی اُتر جائے گا۔ اسی طرح ڈاکٹر اس لیے نشتر نہیں لگاتا کہ مریض کو دُکھ دے، بلکہ اس کی یہ غرض ہوتی ہے کہ آرام ہو، لیکن نشتر سے دُکھ پہنچنا ضروری ہے۔ اسی طرح روزوں کی غرض یہ نہیں کہ تمہیں دُکھ دیا جائے لیکن اس میں شک نہیں کہ روزوں سے تکلیف ضرور ہوتی ہے۔ تو کیا وہ شخص دانا ہے۔ جو کونین اس لیے نہ کھائے کہ وہ کڑوی ہوتی ہے۔ اور اس پھوڑے میں جس نے اس کی زندگی تلخ کر رکھی ہو نشتر نہ لگانے دے کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ کونین سے منہ کڑوا ہوگا۔ اور نشتر سے درد ہوگا۔ مگر نتیجہ اس کا یہ ہوگا کہ تکلیف دُور ہوجاویگی۔ اس طرح روزہ بے شک تکلیف دیتا ہے، لیکن یہ نشتر ہے ان ہزاروں پھوڑوں کے دُور کرنے کا جو انسان کی روح میں ہوتے ہیں۔ وہ شخص جاہل ہے جو بخار سے بُھنا جاتا ہے مگر کونین اس لیے کھانے سے انکار کرتا ہے کہ منہ کڑوا ہوتا ہے یا وہ جو نشتر اس لیے نہیں لگواتا کہ اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ ایک ایسا پھوڑا اس کو نکلا ہوا ہے۔ جو اس کے لیے ایک عذاب ہے۔ کونین کڑوی ہے۔ نشتر تکلیف دہ ہے۔ مگر کیا اتنا جتنا بخار۔ اور وہ خطرناک پھوڑا۔ پھوڑا تو وہ ہے جو اس کو موت کی طرف لے جا رہا ہے۔ اور نشتر وہ ہے جو اس کو زندگی دیتا ہے۔

پس جو روزہ اس لیے نہیں رکھتا کہ تکلیف ہوتی ہے۔ وہ گویا علاج سے بچنا چاہتا ہے۔ یا وہ جو روزہ اس طرح رکھتا ہے کہ اپنی زندگی کو ختم کر دے۔ یہ دونوں تفریط اور افراط کی راہ کو اختیار کرتے ہیں۔ اور نادانی کرتے ہیں۔ جو اپنی جان کو ہلاک کرتا ہے۔ وہ شریعت کا روزہ نہیں رکھتا اور جو بھوک یا پیاس کے ڈر سے روزہ ترک کرتا ہے۔ وہ بھی شریعت کے منشاء کو پورا نہیں کرتا۔

اگر بھوک اور پیاس کی تکلیف سے بری ہوتے۔ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے۔ اور پھر اگر روٹی کی ضرورت نہ ہوتی تو وہ صحابہ ہوتے۔ مگر سب کو بھوک لگتی تھی۔ سب سے اعلیٰ نبیوں کی جماعت ہے جس کو بھوک سے بچانا چاہیئے تھا۔ مگر ہم دیکھتے ہیں۔ نبیوں میں سے سب سے بڑا نبی محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ہے۔ مگر وہ بھی پیٹ پر دو دو پتھر باندھے نظر آتا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بھوک کی تکلیف سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔ اگر بھوک کی تکلیف کے خیال سے روزہ ترک کرنا درست ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے روزے معاف ہوتے۔

بعض نادان جو اپنے آپ کو تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت جاہل ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ روزے اس زمانہ کے لیے تھے۔ جبکہ لوگ جاہل تھے اور وحشت ان پر غالب تھی۔ اور وہ نفسانی جوشوں پر قابو پاتے ہوتے نہ تھے۔ مگر آجکل کے لوگ علمی طور پر بہت ترقی کر گئے ہیں۔ اور ہم ایسی ترقی پا گئے ہیں کہ ہمیں ڈنڈے اور مشقتوں کے ذریعہ خدا کے جلال کا قائل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ایسے لوگ نہیں جانتے کہ اگر علمی جدوجہد کے بغیر روحانی مراتب حاصل ہو سکتے۔ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ جدوجہد ضروری نہ ہوتی۔ کیونکہ ان سے زیادہ کون اپنے نفس پر قابو پائے ہوتے ہو سکتا ہے اور علم میں کون آپ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ مگر باوجود اس کے آپ ریاضت کرتے تھے۔ پھر جنکو وحشی اور ناتعلیم یافتہ کہا جاتا ہے۔ ان کی قربانیوں کا یہ لوگ کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ جو ان کو وحشی کہتے ہیں۔ یہ لوگ جو بڑے سے بڑا آئیڈیل پیش کر سکتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ قوم اور ملک کی خاطر اپنی ذات کو قربان کر سکتے ہوں اگر ہم اسی کو مدنظر رکھیں اور صحابہ کے جوش اور قربانیوں کو مذہبی نہ سمجھیں۔ تو کیا اس کا بھی انکار کر دیا جائیگا کہ ان لوگوں نے اپنی قوم اور ملک کے لیے جو جو قربانیاں کیں۔ ان کا عشر عشیر بھی یہ لوگ نہیں کر سکتے۔

پس یہ تفریط کا پہلو ہے اور یہ نادانی کے خیالات ہیں۔ خدا کے احکام کو حیلے بہانوں سے ٹلانے کی کوشش نہ کرو۔ شریعتِ اسلام لعنت نہیں ہے بلکہ رحمت ہے۔ یہ فضل کی بارش ہے۔ فضلوں کی بارش سے نادان کے سوا کوئی نہیں بھاگتا۔ کیا وہ زمیندار دانا ہے جو وقت پر ہونے والی بارش سے اپنے کھیت کو بچانے کی کوشش کرے بلکہ وہ تو کوشش کریگا کہ تمام پانی کو جمع کرے۔ اور اگر اس میں دینداری اور تقویٰ نہ ہو۔ تو وہ یہاں تک منصوبہ کرتا ہے کہ لوگوں کے کھیتوں کا پانی بھی اپنے کھیت ہی میں ڈال لے۔ وہ پانی کی حفاظت کے لیے منڈیریں بناتا اور سو سو جتن کرتا ہے۔ اسی طرح اسلام خدا کا فضل ہے۔ جو شخص اس کے احکام کی تعمیل سے بچنا چاہتا ہے۔ وہ خدا کے ان فضلوں والی شریعت کو لعنت قرار دیتا ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ اگر وہ شریعت کو لعنت نہیں سمجھتا تو اس سے بچنے کے لیے حیلے بہانے تلاش کرتا ہے۔

ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ خوب سمجھ لے کہ شریعت خدا کی رحمت ہے۔ اس کے احکام کو ٹلانے کے لیے بہانے تلاش کرنا جائز نہیں۔ وہ شخص جو شریعت کے احکام کو ٹلانا چاہتا ہے۔ ہلاکت کو بلاتا ہے

لہ مجمع بحار الانوار جلد ا زیر لفظ حجر

اور گنہگار ہوتا ہے۔ گرمی کی شدت کے باعث جو روزہ چھوڑتا ہے اس کو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ جہنم کی آگ کی گرمی اس سے بہت زیادہ تیز ہے جب لوگوں نے نبی کریمؐ کے وقت میں جہاد سے بچنے کے لیے گرمی کا بہانہ تلاش کیا تو خدا نے فرمایا کہ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا (التوبہ : ۸۲) یہ گرمیاں اتنی گرم نہیں جتنی نارِ جہنم تیز گرم ہے۔ یہ دُنیا کی گرمیاں اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔

پس میں اپنی جماعت کو خاص نصیحت کرتا ہوں اور عورتوں کو خصوصاً اور مردوں میں سے ان کو جو حضرت صاحب کے ان احکام کو دیکھتے ہیں جو آپ نے افراط کو توڑنے کے لیے دیئے۔ لوگوں نے روزوں کی غرض کو ضائع کر دیا تھا۔ جب انھوں نے اس طرح روزے رکھنے شروع کر دیئے کہ جان نکل جاتے بگر روزہ نہ جاتے۔ تو روزہ چونکہ انسان کی ہلاکت کے لیے نہیں۔ بلکہ اس لیے ہے کہ لوگوں کی نجات کا موجب اور زندگی کا باعث ہو۔ اس لیے اس افراط کے خلاف حضرت اقدس نے فرمایا ہے جو کچھ فرمایا۔ اگر حضرت صاحب کا یہ منشاء ہوتا کہ یونہی عذر پر روزہ ترک کر دینا چاہیئے۔ تو آپ اس پر عمل بھی کرتے۔ آپ نے ۷۴ سال کی عمر پائی۔ اخیر عمر کے دنوں میں بوجہ بیماریوں کی کثرت کے آپ کے روزوں میں کمی آئی۔ ورنہ آپ کے روزے نہیں جاتے تھے۔ اور آپ کی غذا اس قدر کم ہوتی تھی کہ دوسرا آدمی دن بھر اس پر گزارہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ آپ کی تعلیم کا یہ منشاء ہوتا۔ تو جتنا کام آپ کو اکیلے کرنا پڑتا تھا۔ اور اکیلے آپ کو ساری دُنیا کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا، آپ روزے نہ رکھتے۔ لیکن باوجود اس شدّت کار اور اس کمزورِ صحت کے آپ روزے رکھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ آپ کے روزے رہ نہ جائیں۔

یہ حکم معمولی نہیں۔ مگر افسوس ہے کہ افراط سے نکل کر کچھ لوگ تفریط کی طرف چلے گئے ہیں معمولی عُذر پر روزہ ترک کر دیتے ہیں۔ خصوصاً عورتیں معمولی معمولی عذرات پر روزے چھوڑ دیتی ہیں۔

پھر جو شخص روزہ نہیں رکھتا اور لوگوں کے سامنے کھاتا پیتا ہے تو یہ زیادہ گنہگار ہے۔ کیونکہ اس کے اس عمل سے لوگوں کو ترک روزہ کی تحریک ہوتی ہے۔ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو وہ چھپاتا ہے کہ پکڑا نہ جائے، لیکن جو روزہ ترک کرتا ہے اور دوسروں کے سامنے کھاتا پیتا ہے وہ دوسروں کو تحریک کرتا ہے کہ روزہ چھوڑ دیں۔ ایسا آدمی شعائر اللہ کی ہتک کرتا ہے۔ پس ایسے گناہ جو دوسروں کو نظر آتے اور دوسروں کے لیے تحریک کا موجب ہوتے ہیں۔ زیادہ سزا کے مستوجب ہوتے ہیں۔ جو لوگ شریعت کے احکام کو اس طرح ٹلاتے ہیں وہ گویا ظاہر کرتے ہیں کہ اسلام ساری دُنیا اور سب زمانوں کے لیے نہیں۔ اور یہ اسلام پر ایسا حملہ ہے جس کا گناہ بہت بڑا گناہ ہے۔

یہ زمانہ رُوحانی ترقیات کا ہے اور روحانی ترقیات میں روزے ضروری ہیں۔ اس لیے ان کو مت چھوڑو۔

دُعاؤں کے ذریعہ قُرب تلاش کرو۔ ہاں جو بیمار ہیں۔ جن کو عرف میں بیمار کہتے ہیں۔ اور جو سفر میں ہو۔ ان کے لیے بھی روزے معاف نہیں، وہ دوسرے ایام میں رکھیں۔ اگر تندرست سے تندرست شخص بھی طبیب کے پاس جائے۔ تو وہ کوئی نہ کوئی تلاش کر کے مرض بتائے گا۔ ایسا مرض نہیں بلکہ عرف میں جس کو مرض کہتے ہیں وہ مرض ہوتا ہے۔ اور اسی طرح سفر بھی وہ جو اتفاقی طور پر پیش آتے، لیکن جو شخص تاجر ہے یا جو ملازم ہے۔ اور اس کا کام ہے کہ وہ دورہ کرے۔ یہ سفر نہیں سفر اتفاقی سفر کو کہتے ہیں جس کو مستقل سفر پیش رہے وہ مسافر نہیں جیسے پھیری والا۔ زمیندار کہتے ہیں کہ ہمیں کام سخت کرنا پڑتا ہے۔ ہم نہیں روزہ رکھ سکتے۔ سو ان کو معلوم ہو کہ ان کا جو کام ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے لیے جسمانی تکلیف کم ہو گئی ہے اس سخت کام کے باعث ان کے پٹھوں کی حس کم ہو گئی ہے۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ ایک دماغی کام کرنے والا اگر اپریشن کرائے تو اس کے لیے کلورا فارم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور زمیندار کہدیتا ہے کہ کلورا فارم کی ضرورت نہیں۔ وجہ یہ کہ دماغی کام کرنے والے کی حس تیز ہے اور اس کی کمزور۔ پس دماغی کام کرنے والے جو ہیں۔ وہ اس محنت کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے دھوپ سے بچکر کام کرتے ہیں۔ اور زمینداروں کو جسمانی کام کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اگر وہ روزہ رکھیں۔ تو ان کی سختی پسند حالت کے باعث ان کے لیے کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ پڑھنے والا پڑھ پڑھ کر کمزور ہو گیا ہے۔ اور زمیندار کو مضبوط بنایا گیا ہے۔ اس لیے اس قدرت کے سامان کے ماتحت زمینداروں کے لیے بھی روزہ کچھ مشکل نہیں۔

مَیں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ توجہ کریں کہ نماز تو ایک ایسا حکم ہے۔ جو کسی حالت میں بھی چھوڑا نہیں جا سکتا ہے، لیکن روزہ ایسا ہے کہ بیماری اور سفر میں ملتوی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا رکھنا ایمان کے حصول اور تقویٰ کے لیے ضروری ہے۔ جو لوگ ٹلاتے ہیں۔ وہ اسلام کو دوسروں کی نظروں میں حقیر کرتے ہیں۔ اور عملی طور پر وہ خود بھی گویا حقارت سے دیکھتے ہیں پس اس سے بچو۔ یاد رکھو۔ جو اسلام کے احکام کی حقارت کرتا ہے۔ وہ اسلام کو چھوڑتا ہے۔ اور اس نعمت کو ردّ کرتا ہے۔ جو خدا کی طرف سے حاصل ہوتی ہے۔

(جب دوسرے خُطبہ کے لیے حضور کھڑے ہوئے تو فرمایا) یہ رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ اس میں بکثرت دُعائیں کرنی چاہئیں۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس میں بالخصوص دُعائیں کرتے تھے[1] پس تم ان دنوں میں اپنے لیے دُعائیں کرو۔ اور ان بھائیوں کے لیے کرو۔ جو تبلیغ کے لیے اپنے گھروں سے نکلے ہوئے

---

[1] بخاری ومسلم بروایت مشکوٰۃ کتاب الصوم باب لیلۃ القدر

ہیں۔ ان لوگوں کے ہم پر حقوق ہیں۔ وہ ہمارا فرض اور ہمارا کام کر رہے ہیں۔ اگر ہم ان کے لیے دُعائیں نہیں کرینگے۔ تو ان کے حقوق کا اتلاف کرینگے۔ پس جو بھائی گئے ہوتے ہیں۔ ان کے لیے اور جو جانے والے ہیں۔ ان کے لیے دُعائیں کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہو۔ ان کی مدد فرمائے۔ ان کو ہدایت پر قائم رکھے۔ اور ان کے ذریعہ ہدایت پھیلے۔ جو لوگ باہر جاتے ہیں۔ ان پر کئی قسم کے ابتلاء آتے ہیں اور ان کے ورغلانے کے کئی سامان ہوتے ہیں۔ عیسائیوں کو دیکھ لو کہ جب وہ باہر گئے۔ تو دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لیے رعایتیں دینے لگ گئے کہ وہ ہم میں شامل ہو جائیں۔ یا تو عیسیٰؑ کہتے تھے کہ میں موسیٰؑ کی شریعت کو قائم کرنے آیا ہوں یا عیسیٰ کے ماننے والوں نے شریعت کو لعنت ٹھہرا دیا۔ پس مبلغوں کیلئے بالخصوص دُعائیں کرو۔ ان کے رستے میں بڑے بڑے ابتلاء ہوتے ہیں۔ اور ان کے رستے میں خطرناک گڑھے ہوتے ہیں۔ وہ اس کام کے لیے نکلے ہیں۔ جو ہم میں سے ہر ایک کا کام ہے۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کے لیے دُعا کریں۔ کہ خدا تعالیٰ کی ہدایت ان کے ساتھ ہو۔ اور وہ ایمان پر قائم رہیں۔ اور دین کی کوئی خدمت ان کے دل میں عجب نہ پیدا کر دے۔ وہ فخر میں نہ آئیں۔ اور اپنی کامیابیوں پر گھمنڈ نہ کریں۔ اور نہ تبلیغ میں وہ طریق اختیار کریں جو دین میں فساد کا موجب ہو کہ غیر واجبی نرمی شروع کر دیں۔ پس ہم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ ان کے لیے دُعا کرے۔ ان کی کامیابی کے لیے اسلام کی ترقی کے لیے اور ان کے لیے جو ارادہ رکھتے ہیں۔ شاید یہ عشرہ ہی ہماری آئندہ ترقیوں کا ذریعہ ہو جائے۔

(الفضل ۱۷ر جون ۱۹۲۰ء)